

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

سیّد صادق حسین

برگِ سبز

سیّد صادق حسین

ارشاد صدیقی

برگِ سبز

(کلیاتِ صادق)

سیّد صادق حسین کاظمی

ترتیب و تدوین

سیّد آلِ احمد رضوی

ماڈرن بک ڈپو اِسلام آباد

نام کتاب ----- برگِ سبز (کلیاتِ صادق)

صاحبِ کلام ----- سید صادق حسین کاظمی

ترتیب وتدوین ----- سید آلِ احمد رضوی

ناشر ----- سید ذاکر شاہ

سرورق ----- ارشاد احمد صدیقی

طابع :

قیمت : ۷۵ روپے

تُندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لئے

سید صادق حُسین کاظمی

انتساب

اُن اصحاب کے نام جنہوں نے میرا ایک شعر

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اڑانے کے لئے

حکیمُ الاُمت جناب علاّمہ ڈاکٹر محمّد اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے اسمِ گرامی سے منسوب کر کے مجھے اپنے اشعار پر نظرِ ثانی کرنے کا موقع دیا۔

ایسے ہی اصحاب کے نام ؎

برگِ سبز است تحفۂ درویش

سیّد صادق حسین کاظمی
ایڈووکیٹ
شکر گڑھ (ضلع سیالکوٹ)

مورخہ یکم فروری ۱۹۷۷ء

ترتیب

تعارف

مفتی سیّد کفایت حسین نقوی مظفر آباد

مجھے یاد نہیں کہ قبلہ سیّد صادق حسین کاظمی صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے میری ملاقات کب ہوئی ؟ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ پہلی ہی ملاقات میں ان کی دلکش باتوں نے کچھ ایسا اثر کیا کہ ہمیشہ کے لئے ان کی محبت دِل پر نقش ہوگئی۔

محترم شاہ صاحب جامع الصفات اور یگانہ روزگار ہستی تھے۔ خاندانی سیادت و نجابت، عزم کی پختگی، کردار کی بلندی، فکر کی جولانی، اخلاق کی دلکشی، حلم کی رعنائی، اُن کے دِل میں محبت الٰہی، اور عشق نبیؐ کی فروزاں قندیل، ذکرِ حبیب کے وقت اُن کی آنکھوں سے سیلِ عشق کی روانی، راہِ حق میں اُن کی استقامت، بیانِ حق میں اُن کی ندرت، اظہارِ حق میں اُن کا جذبہ للہیت، ہر باطل کے علمبردار سے اُن کی قلندرانہ ٹکر، حق و صداقت کی راہ پر چلنے والوں سے اُن کی بے پناہ محبت۔ غرض جس پہلو سے بھی دیکھیں اُن کی شخصیت منفرد اور بے مثال دکھائی دیتی ہے۔ اُن کی پوری زندگی جہد و عمل، جرأت و حریت اور حق گوئی سے عبارت تھی۔

محترم شاہ صاحب ! اسلامی اقدار کے علمبردار اور نظریۂ پاکستان کے فدائی تھے، تحریک آزادی وطن میں انہوں نے مؤثر کردار ادا کیا، قیامِ پاکستان کے بعد اپنے خونِ جگر سے گلشنِ وطن کی آبیاری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ اس بات پر زور دیتے رہے کہ یہ پاک وطن، اسلام کے نام پر قائم ہوا اس لئے اس کا نظریاتی تشخص صرف

اُس صورت میں برقرار رہ سکتا ہے کہ یہاں دینِ مصطفویؐ بلا تاخیر رائج ہو۔ انہیں تمنا تھی تو بس اتنی کہ قرآن و سنت فکر و نظر کا محور بن جائیں۔

محترم شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قابلِ رشک دولت سے بھی خوب نوازا۔ وہ رسولِ انس وجاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں فانی تھے۔ اہلِ بیت اطہار اور صحابہ کرامؓ کی محبت کا جذبہ اُن کے رگ و پے میں رچا بسا تھا۔

سیّد صادق حسین کاظمی کشمیری نژاد تھے لیکن ایک صدی قبل ہجرت کر کے ظفروال سیالکوٹ آ گئے۔ ۱۹۲۹ء میں جب آپ قانون کے پیشے سے منسلک ہوئے تو شکر گڑھ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بڑے ہی منکسر مزاج، حلیم الطبع، متواضع اور شیریں گفتار تھے گفتگو ہمیشہ پیار میں محبت سے فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کی باتیں براہِ راست دلوں پر دستک دیتی تھیں۔

محترم شاہ صاحب بلا کے ذہین تھے۔ گفتگو کے دوران، مختلف اصحابِ فکر اور مستشرقین کے طویل قول اور شعراء کے اشعار یوں برجستہ استعمال کرتے کہ سننے والا حیرت سے مبہوت ہو جاتا، اُردو، انگریزی، پنجابی، کشمیری کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی یکساں عبور رکھتے تھے۔ بڑا وسیع مطالعہ تھا، کتابوں اور مصنفین کے نام، تحریروں کے حوالے، سنین یہاں تک جن چھاپہ خانوں میں وہ کتابیں چھپتی تھیں اُن تک کے نام انہیں یاد ہوتے۔ شعر و سخن میں بھی، انہیں خاصا ملکہ تھا۔ اُن کی ذات علم و ادب میں سایہ دار درخت کی مانند تھی۔ لیکن انہوں نے وہ شہرت حاصل نہیں کی جس کے وہ مستحق تھے۔ اس لئے کہ وہ کسی انجمن ستائشِ باہمی کے رُکن نہ تھے۔ ویسے بھی گوشہ نشیں درویش صفت انسان تھے نام و نمود کا انہیں شوق نہ تھا وہ علم و ادب کے خاموش خدمت گزار تھے۔ انہوں نے شاعری کسی سے خراجِ تحسین لینے یا دادِ سخن کے لئے نہیں بلکہ اپنے سکونِ قلب اور تسکینِ ذات اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے کی۔ ان کے اشعار میں زبان و بیان کی لطافتیں، خیال کی تازگی، جذبے کی سچائی، لہجے میں عجز و ادب اور احتیاط و توازن پایا جاتا

انہوں نے غزل کہی ہو یا نعت، اپنے اسلوب اور اندازِ بیاں سے دونوں جگہ یکساں نظر آتے ہیں۔ الفاظ کی جو سادگی غزل میں ہے وہی نعت میں بھی ہے۔ بات چیت کرنے کا جو انداز عام نظموں میں ہے۔ وہی نعتیہ کلام میں بھی پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے اشعار میں اسلامی اقدار اور عقائد کا درس دیتے ہیں اور بچوں کے دلوں میں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات

ستودہ صفات سے محبت کی جوت جگانے کے ساتھ انہیں ایک اچھا انسان بنانے پر بھی راغب کرتے ہیں۔ انہوں نے "شاھنامہ اسلام" کی طرز پر جو طویل نعت کہی اُنکی اس نعت کے ہر شعر اور شعر کے ہر مصرعے میں محبت رسول اور خلوص کی مہک ملتی ہے۔

سید صادق حسین شاہ صاحب کے کلام میں مولانا حالیؔ، علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خان کا رنگ نمایاں ہے۔ اس مماثلت کی ظاہری وجہ ایک تو یہ تھی کہ وہ اُن کے ہمعصر تھے، دوسرے قلبی و ذہنی طور پر اُن کے افکار سے متاثر بھی۔ قدرت نے کاظمی صاحب کو ذوقِ سلیم کے ساتھ ساتھ ایک دلِ گداز بھی عطا فرمایا۔ انہیں اُمتِ مُسلمہ کی زُبوں حالی کا شدید احساس تھا اسلئے وہ اپنے اشعار کے ذریعہ اصلاحِ احوال کی دعوت جابجا دیتے نظر آتے ہیں۔

سید صاحب کی زندگی کے کس کس پہلو پر لکھوں وہ ایک قد آور شاعر تھے۔ لیکن انسان ہونے کے اعتبار سے اس سے بھی بڑے۔ اُن کے سینے میں ایک دردمند دل تھا۔ دوسروں کے دُکھوں پر وہ تڑپ جاتے۔ ہر ایک کے لئے شجرِ سایہ دار تھے۔ انہوں نے ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء کے عرصہ میں بیشتر نظمیں قومی، ملی اور اخلاقی موضوعات پر کہیں جو اُس وقت کے ممتاز اخبار و جرائد جن میں زمیندار، آفتاب، احسان، ھمایوں اور مخزن وغیرہ شامل ہیں میں شائع ہوتی رہیں۔ انہوں نے بچوں کے لئے بھی بہت کچھ لکھا لیکن سب ضائع ہو گیا اس لئے کہ انہیں جمع یا محفوظ نہیں کیا جا سکا۔ ۱۹۷۰ء میں تلاش و جستجو کے بعد اخبارات میں مطبوعہ غزلوں، نظموں کو اکٹھا کر کے ایک مجموعہ "برگِ سبز" کے نام سے شائع کیا لیکن آج یہ بھی نایاب ہے۔

ہم نے سعی کی ہے کہ "برگِ سبز تحفۂ درویش" کو علمی و ادبی حلقوں تک پہنچائیں۔ تاکہ سید صادق حسین شاہ صاحب کا کلام جس میں سوز و گداز بھی ہے۔ بلندیٔ افکار بھی، مضامین کا تنوع بھی ہے، اور ندرتِ اظہار بھی، تھوڑا بہت جو رہ گیا ہے وہ محفوظ بھی رہ سکے اور علم و ادب کے طالب علم اس سے مستفید بھی ہو سکیں۔ شاہ صاحب کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہوں!

بقول علامہ اقبالؒ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نُوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مفتی کفائت حُسین نقوی

پیش لفظ

سیّد آلِ احمد رضوی

یہ حقیقت ہے کہ موت کی آندھی انسان کی روح تو لے اُڑتی ہے۔ مگر اس کے کردار کے جلائے ہوئے چراغ گل نہیں کر سکتی۔ انسانی کردار کے جلائے ہوئے یہ دیپ اس وقت تک روشن رہتے ہیں جب تک فلک پیر کے سینہ پر چاند، ستاروں کی قندیلیں درخشاں ہیں۔ یہی وہ انسان ہیں جو صدیوں آنے والی نسلوں کو ایک روشنی دے جاتے ہیں اور آنے والا انسان اسی روشنی میں منزلِ مقصود تک باآسانی پہنچ جاتا ہے۔ ایسے ہی ہمہ صفت انسانوں میں ایک گوہرِ نایاب ایک مردِ باصفا انسان سید صادق حسین شاہ کاظمی مرحوم و مغفور تھے۔

سیّد صادق حسین کاظمی اپنے عہد کے ایک روشن چراغ تھے۔ انہیں قدرت نے بے شمار صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا تھا۔ گفتار مؤثر تھی تو کردار معتبر، باتوں میں گلوں کی خوشبو تھی تو اداؤں میں فقرِ غیور کی جھلک، شخصیت باوقار تھی تو سیرت

صبح زندگی کا نکھار، علم سرمایۂ ایمان تھا تو عمل شوکتِ عرفان، تدبر میں پہاڑوں کی سربلندی بھی تو فکر میں سمندروں کی گہرائی و گیرائی، عاشقِ مصطفٰے بھی تھے، فدائے اہلِ بیت اور محبِّ صحابہ بھی۔ مجاہد جد و جہدِ آزادی بھی تھے اور کاروانِ شوق کے سالار بھی۔ وہ علم و ادب کا ایک بحرِ بے کراں تھے جس سے سینکڑوں تشنگانِ علم سیراب ہوئے۔ اُن کا مطالعہ نہایت وسیع اور مشاہدہ ہمہ گیر تھا۔ تصوف سے لے کر علمِ نفسیات تک آپ کا مطالعہ ہر پہلو پر محیط تھا۔ سفر و حضر، سیاست و قیادت کسی مقام پر آپ نے مطالعہ ترک نہیں کیا۔

سیّد صادق حسین کاظمی صاحب ایک بڑے محقق، ادیب، دانشور، نقاد، ماہرِ تعلیم اور قانون دان ہی نہ تھے ممتاز شاعر بھی تھے۔ اُن کا یہ شعر اُن کی شخصیت کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

سید صادق حسین کاظمی، کشمیر کے اُس ذی علم خانوادہ سادات کے چشم و چراغ تھے جو اپنے علم و روحانی کمالات سے لوگوں کو صدیوں سے فیضیاب کر رہا تھا۔ اسی گھرانہ میں آپ یکم اکتوبر ۱۸۹۸ء کو موضع کھادڑ پاڑہ میں پیدا ہوئے۔

آپ کو آغوشِ معرفت نصیب ہوئی۔ آپ کے والد حضرت محمد شاہ ایک درویش صفت انسان تھے۔

وہ پیشے کے لحاظ سے گرداور اور قانون گو تھے۔ لیکن شمائل و خصائل کے پیکر تھے۔

سید صادق حسین کاظمی نے تحصیل علوم دینیہ کی تشنگی کا مداوا اپنے ہی خاندان کے ارباب علم و فضل سے کیا۔ ۱۹۰۵ء میں مڈل سکول بارہ مولا کی جماعت اوّل میں داخلہ لیا۔ اسی دوران میں ہجرت کرنا پڑی اور ظفروال سیالکوٹ میں سکونت اختیار کی۔ یہاں اسلامیہ پرائمری سکول میں داخلہ لیا۔ پرائمری کے بعد ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول چلے گئے۔ وہاں سے مڈل کا امتحان پاس کیا اور اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ لاہور میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۱۱ء میں میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کرنے کے بعد ٹیچر ٹریننگ کالج لاہور سے جے وی کیا۔ یکم اپریل ۱۹۱۹ء میں اسلامیہ ہائی سکول جھنگ مگھیانہ میں بحیثیت مدرس تعینات ہوئے۔ دورانِ ملازمت ہی ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۳ء میں جی ڈی ہائی سکول مینگڑی سیالکوٹ میں تبادلہ ہو گیا۔ ۱۹۲۴ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔

شاہ صاحب، اپنی طرز کے ایک بہت ہی منفرد استاد تھے، سنجیدہ، باوقار اور صاف ستھرے لہجہ کے مالک تھے۔ جو کچھ پڑھاتے سمجھا کر، تفہیمانہ انداز میں پڑھاتے، شاگردوں کی بات توجہ سے سنتے، ان کے سوالات کے جواب اسطرح دیتے کہ وہ مطمئن ہو جاتے۔ ان کے انداز تدریس میں جمال بھی تھا اور جلال بھی بات چیت کے انداز میں یوں پڑھاتے کہ الفاظ لوحِ دل پر نقش ہو جاتے۔ ان کے اسلوبِ تدریس میں قدیم و جدید طرزِ تدریس کا خوبصورت امتزاج تھا۔ انہیں علومِ اسلامیہ کے کم و بیش

وہ پیشے کے لحاظ سے گرداور اور قانون گو تھے۔ لیکن شمائل وخصائل کے پیکر تھے۔

سید صادق حسین کاظمی نے تحصیل علومِ دینیہ کی تشنگی کا مداوا اپنے ہی خاندان کے ارباب علم وفضل سے کیا۔ ۱۹۰۵ء میں مڈل سکول بارہ مولا کی جماعت اوّل میں داخلہ لیا۔ اسی دوران میں ہجرت کرنا پڑی اور ظفروال سیالکوٹ میں سکونت اختیار کی۔ یہاں اسلامیہ پرائمری سکول میں داخلہ لیا۔ پرائمری کے بعد ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول چلے گئے۔ وہاں سے مڈل کا امتحان پاس کیا اور اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ لاہور میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۱۷ء میں میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کرنے کے بعد ٹیچر ٹریننگ کالج لاہور سے جے وی کیا۔ یکم اپریل ۱۹۱۹ء میں اسلامیہ ہائی سکول جھنگ مگھیانہ میں بحیثیت مدرس تعینات ہوئے۔ دورانِ ملازمت ہی ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۳ء میں جی ڈی ہائی سکول مینگری سیالکوٹ میں تبادلہ ہوگیا۔ ۱۹۲۴ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔

شاہ صاحب، اپنی طرز کے ایک بہت ہی منفرد استاد تھے، سنجیدہ، باوقار اور صاف ستھرے لہجہ کے مالک تھے۔ جو کچھ پڑھاتے سمجھا کر، تفہیمانہ انداز میں پڑھاتے، شاگردوں کی بات توجہ سے سنتے، ان کے سوالات کے جواب اسطرح دیتے کہ وہ مطمئن ہو جاتے۔ ان کے انداز تدریس میں جمال بھی تھا اور جلال بھی بات چیت کے انداز میں یوں پڑھاتے کہ الفاظ لوحِ دل پر نقش ہو جاتے۔ ان کے اسلوبِ تدریس میں قدیم وجدید طرزِ تدریس کا خوبصورت امتزاج تھا۔ انہیں علومِ اسلامیہ کے کم وبیش

تمام شعبوں سے گہری وابستگی و دلچسپی تھی وہ مغربی علوم وافکار سے بھی کماحقہ' واقف تھے۔ مشرقی علوم کا انہیں بحرِ ذخائر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ ایک جامع العلوم شخصیّت کے مالک انسان تھے۔ انہوں نے ایک مدّرس کی حیثیت سے لاتعداد طلباء کو علم کی روشنی عطا کی۔ اس دریائے علم سے لاتعداد نہریں بہہ نکلیں جن سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا جو ملک کے گوشے گوشے میں بکھرے ہوئے ہیں۔

شاہ صاحب نے تعلیم کے فروغ، تعلیم کے نظام کی اصلاح اور تعلیمی ترقّی کے لئے بھی بے پناہ کام کیا۔ انہی کی پرخلوص کوششوں کے باعث شکرگڑھ میں کالج کا قیام عمل میں آیا۔

سیّد صادق حسین شاہ صاحب فرماتے تھے کہ علم ایک ایسا نور ہے جس کے ذریعے انسان کھوٹے کھرے میں تمیز کر سکتا ہے۔ اگر یہ انسان کو صراطِ مستقیم پر لائے تو بڑی نعمت ہے ورنہ دھوکہ ہے۔ صحیح معنوں میں علم وہی ہے جو پرہیزگاری پیدا کرے انسان کی زندگی میں انقلاب برپا کرے۔ وہ اساتذہ کو تلقین کرتے کہ وہ اپنے فرائض کو جانیں، اپنا طریقہ تدریس درست کریں، اپنے اسلاف کے طریقہ کو اپنائیں۔ طلباء کو یوں پڑھائیں کہ ہر بات ذہن نشیں ہوتی چلی جائے۔ اپنے علم وفضل پر کبھی نازاں نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ طلباء کو نصیحت فرماتے کہ اپنے اساتذہ کی جس قدر ہو سکے عزّت و تکریم کریں۔ اُن کی خدمت کریں۔ زیادہ سے زیادہ محنت کریں۔ بغیر محنت کے ڈگریاں لینے کی سوچ ختم ہونی چاہیئے۔ اسی میں ملک و ملّت کی بہتری ہے، کامیابی و کامرانی ہے۔ سیّد صادق حسین کاظمی صاحب جن دنوں جھنگ میں درس و تدریس کے پیشے

سے منسلک تھے۔ ایک تقریب میں دورانِ گفتگو ایک وکیل نے طنزاً کہا کہ
"تم سکول ٹیچر ہو مگر باتیں وکیلوں کی طرح کرتے ہو۔"

اس ایک فقرے نے ان کے ذہن میں انقلاب برپا کر دیا۔ انہوں نے وکیل بننے کا فیصلہ کیا اور ۱۹۲۷ء میں لاہور سے ایل ایل بی کرنے کے بعد ظفروال میں وکالت شروع کر دی اور جلد ہی بلند مقام حاصل کر لیا۔ وکلاء برادری میں بھی بڑی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ گورداسپور، شکرگڑھ اور پٹھان کوٹ کے دیہی علاقوں میں "شاہ وکیل" کے نام سے مشہور ومعروف ہو گئے۔ آپ ۱۹۳۰ء میں شکرگڑھ منتقل ہو گئے۔

شاہ صاحب کا وجود بے سہارا مسلمانوں کے لئے غنیمت تھا۔ غریب، نادار اور مفلوک الحال مسلمانوں کے مقدمات کسی معاوضے کے بغیر بڑی محنت، لگن اور جانفشانی سے لڑا کرتے۔

قانون کا پیشہ اختیار کرنے کے بعد وہ سیاست میں بھی بھرپور حصّہ لینے لگے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آزادیٔ وطن کی تحریک زوروں پر تھی۔ تحریک خلافت کے بعد انگریزوں کے اقتدار کی جڑیں ہلتی نظر آرہی تھیں۔

سیّد صادق حسین کاظمی صاحب نے میدانِ سیاست میں جہاں جدوجہد آزادی کی تحریک میں نہایت اہم اور مؤثر کردار ادا کیا وہیں عدالتوں میں بھی اُس زمانے میں تنگ نظر اور متعصب ہندوؤں کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں

کے درمیان سکھو چک کے قبرستان کی اراضی کے سلسلے میں طویل عرصے سے تنازعہ چلا آرہا تھا۔ مقدمہ ڈپٹی کمشنر گورداسپور سری نگیش کی عدالت میں پیش ہوا۔ مسلمانوں نے کاظمی صاحب کو اپنا وکیل مقرر کیا ہوا تھا۔ لیکن ڈپٹی کمشنر ہندوؤں کی طرف داری کر رہا تھا اور وہ مسلمانوں کی کوئی بات سننے کو سرے سے تیار ہی نہ تھا۔ ان دنوں توہینِ عدالت پر دو سو روپے جرمانہ ہوا کرتا تھا۔

سیّد صادق حسین کاظمی نے دو سو روپے جیب میں رکھے اور عدالت میں پہنچ گئے۔ دلائل کے ساتھ ساتھ جذبات کا سہارا بھی لیا اور ڈپٹی کمشنر پر برس پڑے اور کہا کہ اگر تمہاری رگوں میں سیواجی کا خون جوش مار رہا ہے تو میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اورنگ زیبی حمیت کے مسلمان آج بھی زندہ ہیں۔ اگر تم نے قومی حمایت میں جانبداری کا مظاہرہ کیا اور کوئی غلط فیصلہ دیا تو کل سکھو چک میں جو فساد ہو گا۔ وہاں جتنے لوگ مارے جائیں گے، جو عورتیں بیوہ ہوں گی اور جتنے بچے یتیم ہوں گے اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔ یہ کہہ کر وہ عدالت سے باہر آ گئے۔ اُن کی جرأت، ہمت کے ہر جگہ چرچے ہونے لگے۔ شہر میں اُن کا ہر جگہ پُرجوش نعروں سے استقبال ہوتا۔

سید صادق حسین کاظمیؒ نے آزادی وطن کی تحریک میں بڑے جوش اور ولولے سے حصہ لینا شروع کر دیا۔ شکر گڑھ میں مسلم لیگ قائم کی۔ ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۴۰ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ اس دوران میں انہوں نے لاتعداد نشیب و فراز دیکھے۔ لیکن تند و تیز طوفانوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ہر افتاد

کو سینے سے لگایا مگر اُف نہ کی۔ تحریکِ پاکستان کی کشتی کو ساحلِ کامرانی سے ہمکنار کرنے کے لئے اور نظریہ پاکستان سے عوام کو روشناس کرانے کے لئے جو بھرپور سعی آپ نے کی وہ ایک تفصیل طلب باب ہے۔

جب پاکستان آزادی کے متوالوں کے خوابوں کی تعبیر بن کر وجود میں آگیا تو آپ نے وطن عزیز کی نظریاتی سربلندی اور نظام اسلام کی ترویج و فروغ کی خاطر برسوں شبانہ روز کام کیا۔ وہ بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح سے بے پناہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے قائدِاعظمؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا۔

رہے آباد پاکستان تیرا رہتی دنیا تک
قیامت تک رہے جاری جو فیض عام ہے تیرا
تیری حکمت کے آگے لرزہ براندام تھا گاندھی
نہ ہے قسمت مسلمانوں کو لیڈر مل گیا تجھ سا

سیّد صادق حسین کاظمی صاحب، مکر و فریب کی سیاست پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اسی لئے ایسی سیاست سے انہوں نے اپنا دامن جھٹک لیا۔ ۱۹۵۱ء میں جب انہوں نے دیکھا کہ جس مقصد کے لئے یہ وطنِ عزیز حاصل کیا گیا تھا اُسے نظرانداز کیا جا رہا ہے تو پہلے انہوں نے اصلاحِ احوال کی کوشش کی، پھر سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

اُن کی خواہش تھی کہ جس ملک کو ایک طویل جدوجہد اور بڑی قربانیوں کے بعد

کو سینے سے لگایا مگر اُف نہ کی۔ تحریکِ پاکستان کی کشتی کو ساحلِ کامرانی سے ہمکنار کرنے کے لئے اور نظریہ پاکستان سے عوام کو روشناس کرانے کے لئے جو بھرپور سعی آپ نے کی وہ ایک تفصیل طلب باب ہے۔

جب پاکستان آزادی کے متوالوں کے خوابوں کی تعبیر بن کر وجود میں آگیا تو آپ نے وطن عزیز کی نظریاتی سربلندی اور نظام اسلام کی ترویج و فروغ کی خاطر برسوں شبانہ روز کام کیا۔ وہ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح سے بے پناہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے قائدِاعظمؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا۔

رہے آباد پاکستان تیرا رہتی دنیا تک
قیامت تک رہے جاری جو فیض عام ہے تیرا
تیری حکمت کے آگے لرزہ براندام تھا گاندھی
نہ ہے قسمت مسلمانوں کو لیڈر مل گیا تجھ سا

سیّد صادق حسین کاظمی صاحب، مکر و فریب کی سیاست پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اسی لئے ایسی سیاست سے انہوں نے اپنا دامن جھٹک لیا۔ ۱۹۵۱ء میں جب انہوں نے دیکھا کہ جس مقصد کے لئے یہ وطنِ عزیز حاصل کیا گیا تھا اُسے نظرانداز کیا جا رہا ہے تو پہلے انہوں نے اصلاحِ احوال کی کوشش کی، پھر سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

اُن کی خواہش تھی کہ جس ملک کو ایک طویل جدوجہد اور بڑی قربانیوں کے بعد

حاصل کیا ہے۔ یہاں اسلام کو صحیح معنوں میں رائج کیا جائے۔ شریعت کا نفاذ ہو تاکہ ہر ایک کو اس کا حق ملے۔ اکثر وہ اس بات پر اظہارِ افسوس کرتے تھے کہ معاملہ انکی توقعات کے بالکل برعکس ہوا۔ اُمید تھی کہ پاکستان میں ایک پاکیزہ اور خالص اسلامی معاشرہ قائم ہوگا مگر یہاں اسلامی تو کجا انسانی قدروں کو بھی بُری طرح پامال کیا گیا ہے اور ہم اخلاقی اعتبار سے اُس سطح سے بہت نیچے گر گئے ہیں جہاں عہدِ غلامی میں تھے ہمارے معاشرے میں دولت کو ہی عزت کا معیار سمجھا جانے لگا ہے۔ نتیجتاً ہر شخص راتوں رات امیر بن جانا چاہتا ہے۔ معاشرے سے خلوص، محبت، ایثار و ہمدردی کے جذبات ختم ہو گئے اور حرص و لالچ، خودغرضی و مفاد پرستی لوگوں کا شعار بن گئے۔ اخلاقی و معاشرتی برائیاں طوفان کی طرح سارے سماج پر چھا گئیں۔ ہر طرف نفسا نفسی کا دور دورہ ہو گیا۔ ہم دشمن کی طرف سے غافل ہو گئے اور اس غفلت کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔

اگرچہ شاہ صاحب نے عملی طور پر سیاسی سرگرمیوں میں حصّہ نہ لیا لیکن اصلاحِ معاشرہ کے سلسلے میں، سماجی کاموں میں وہ بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہے۔ ضرورت مندوں کی خاموشی سے امداد کرتے رہتے تھے، احباب کی محفلوں میں کھُل کر باتیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ نا اتفاقی نے وطنِ عزیز کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ ہمارے قول و فعل میں تضاد ہے۔ ہمارے ظاہر و باطن میں فرق ہے۔ ہم ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو قربان کر رہے ہیں۔ ہم میں نہ محبت کا جذبہ ہے نہ اخوت کا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے

دامن علم وحکمت سے خالی ہوئے ہے ہیں اور ہم غیروں سے مات کھا رہے ہیں۔ ہمارے علماء نے تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ اسلام کی بجائے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانے شروع کر رکھے ہیں۔ وطنِ عزیز میں نسلی و لسانی تعصب پھیل رہا ہے۔ ہم سب جب ایک خدا، ایک رسولؐ، ایک کتاب اور ایک قبلہ کے ماننے والے ہیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُن کے اہلِ بیت اطہار اور اُن کے صحابہ کرامؓ سے عشق و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کا عہد کرتے ہیں تو پھر آپس میں بر سرِ پیکار کیوں ہیں ــــ ؟

سید صادق حسین کاظمی صاحب ہمیشہ ہموطنوں کو تلقین کرتے کہ عصبیت اور نفرت اور فرقہ واریت کے بیج اکھاڑ پھینکیں۔ محبت و اخوت کا چلن عام کریں۔ دشمن ہر وقت، ہر آن ہماری تاک میں ہے۔ اُن کے عزائم پہلے سے بھی خطرناک ہیں۔ اس لئے اپنے اندر روحِ جہاد پیدا کریں۔ اپنے اسلاف کے کارناموں پر نظر رکھیں۔ جو قومیں اپنی تاریخ، اپنے ماضی کو فراموش کر دیتی ہیں وہ زوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں سے کہا تھا۔ "میں نے تمہارے مقابلے میں ایسے لوگ بھیجے ہیں جنہیں موت سے اتنی محبت ہے جتنی تمہیں زندگی سے ـ "جب تک قوم میں جذبہ فاروقی پیدا نہ ہوگا۔ ہم دنیا میں کبھی سربلند نہ ہو سکیں گے۔

سید صادق حسین کاظمی صاحب، قادر الکلام شاعر تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہی نہایت عمدہ اور فصیح و بلیغ شعر کہتے تھے۔ آپ کا دورِ شاعری کے لحاظ سے

علامہ اقبال کی عہد آفریں شخصیت کی فکری سربلندیوں کا امین تھا۔ آپ علامہ اقبالؒ کی شاعری اور فکر سے یوں متاثر ہوئے کہ اُن کا رنگ آپ کی شاعری میں جھلکنے لگا ہی نہیں آپ کی عام گفتگو میں بھی علامہ اقبالؒ کا سوز و ساز ابھرتا دکھائی دیتا تھا۔ شاہ صاحب کے اس مشہور و معروف شعر کو آج بھی بہت سی علمی وادبی شخصیات نے علامہ اقبالؒ سے منسوب کر رکھا ہے۔

ے تندیٔ بادِ مُخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لئے

سیّد صادق حسین کاظمی صاحب کے مولانا ظفر علی خان صاحب سے بھی قریبی مراسم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری میں ظفر علی خان کے شکوہ بیان کی ایمان آفریں جھلک بھی نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔ آزادیٔ وطن کی تحریک کے دنوں کی بات ہے ایک روز ہندوؤں اور سکھوں نے شکر گڑھ میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ جلوس کے شرکاء بار بار ایک شعر پڑھ رہے تھے۔

نغمہ حب الوطنی سولی پہ گایا جائے گا
موت کو بھی زندگی کر کے دکھایا جائے گا

شاہ صاحب نے اس کے جواب میں کئی اشعار لکھے اور اگلے ہی دن مسلمانوں نے بھی ایک بڑا جلوس نکالا وہ ہندوؤں کے جواب میں لکھے ہوئے یہ اشعار بڑے جوش و جذبے کے ساتھ پڑھتے جا رہے تھے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

نغمۂ اسلام زندہ باد گایا جائے گا
خوابِ غفلت سے مسلمانوں کو جگایا جائے گا
دیکھتی ہے خواب ہندو راج ہی کے کانگرس
خاک میں اس کے ارادوں کو ملایا جائے گا
سنگدل انگریز بھی سن لے یہ گوشِ ہوش سے
راہ میں پتھر جو آئے گا ہٹایا جائے گا
باز آجا اپنی ہٹ دھرمی سے اے بلدیو سنگھ
ورنہ لاشوں پر ہی پاکستان بنایا جائے گا
ظالموں باطل پرستوں کی اُڑیں گی دھجّیاں
نام ہر غدّار کا یکسر مٹایا جائے گا
راہِ حق میں ہم لٹا دیں گے جو اپنے پاس ہے
اور ہر قیمت پہ پاکستان بنایا جائے گا

سیّد صادق حسین شاہ کاظمی صاحب کی شاعری عمر بہت مختصر رہی۔ قانون کے پیشے سے منسلک ہونے کے بعد وہ اس جانب بھرپور توجہ نہ دے سکے۔ اُنکی متعدد منظومات، مختلف رسائل و اخبارات کی زینت بنیں، جن کا بیشتر حصّہ اُنکی طبعی درویشی منشی کی نذر ہو گیا۔ مگر چند نظمیں اور غزلیں انہوں نے بعد میں ایک بیاض میں

محفوظ کرلیں۔ ان منظومات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شاعری کو اصلاحِ قوم کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے اور اس سے ملی و قومی شعور کو بیدار کرنے کا کام لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے کلام میں عام فہم زبان، مانوس لہجہ اور آسان الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی پیچیدگی اور الجھاؤ نہیں۔ اُن کے کلام میں جان ہے، سوز ہے، گداز ہے، درد ہے، تڑپ ہے۔ بے چینی ہے اور بے قراری ہے۔ یہ اوصاف ان کی شاعرانہ بالیدگی کو دوبالا کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کی شاعری میں مطالعہ کی گہرائی بھی ہے اور مشاہدہ کی گیرائی بھی مضمون آفرینی بھی ہے اور زبان و بیان کا حسین انداز بھی۔ انہوں نے بچّوں کے لئے بھی بہت کچھ لکھا۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری مرحوم کے شاہنامہ اسلام کے انداز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت بھی کہی۔ ہجرتِ مدینہ کا ذکر انہوں نے یوں کیا۔

ارادہ کرلیا دل میں انہوں نے تب بہت پکّا
نبیؐ کو اور اُس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کا

جو ساتھی اُس کے مل جائیں وہ اُن کو تنگ کرتے تھے
لِٹا کر ریت پر اُن کو پتھر مارا کرتے تھے

اندھیری رات میں اِن دشمنوں نے گھر کو آ گھیرا
نبیؐ کی جان کا لیکن محافظ حق تعالیٰ تھا

نبیؐ کو ہو گئیں معلوم سب کفار کی چالیں
مدینے کو روانہ ہو گئے ایک شب اندھیرے میں
محمد مصطفیٰؐ نے راستے میں سختیاں جھیلیں
اُدھر سے کافروں کی ٹولیاں بھی سر پہ آ پہنچیں
انہوں نے دیکھ کر مکڑی کا جالا غار کے منہ پر
یہی سوچا کہ ہو سکتا ہے نہیں کوئی بشر اندر
رفیقِ غار حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے اس دم
بہت سے لوگ ہیں یہ ، اور ہم ہیں دو فقط ہمدم

تسلّی دی انہیں حضرتؐ نے اور فی الفور فرمایا
نہیں دو بلکہ ہم ہیں تین، حق کا بھی تو ہے سایا
غرض دشمن گئے اور آپ اندر ہی رہے دونو
دنوں کی بات تھی آخر مدینے میں گئے دونو
مدینے کے لئے تھی وہ گھڑی عیش و مسرّت کی
سواری آن پہنچی جب وہاں فخرِ رسالتؐ کی
مسلمان بھی وہاں رہنے لگے آرام و راحت سے
شجرِ اسلام کا ہر سُو لگا تھا پھُولنے پھلنے

سیّد صادق حسین کاظمی صاحب ، تمام عمر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مصروف رہے ۔ حضور رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے عشق حد درجہ کا تھا ۔ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکرِ خیر کرتے ، یا ذکر سنتے تو آنکھوں سے اشکوں کی برکھا برسنے لگتی اور سوزشِ عشق سے آہیں بھرنے لگتے ۔ اپنے ہر ارادت مند کو یہی تلقین کرتے کہ سیّدا لمرسلین ، خاتم النبین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اتباع کرو اس لئے کہ آپ کی محبّت سے ہی انسان منزلِ مقصود پر پہنچ سکتا ہے ۔

سخت کوشی اور جفا طلبی ہمیشہ شاہ صاحب کا شعار رہا ۔ نامساعد حالات ، تکالیف و مصائب ، کبھی ان کی راہ میں سنگ گراں نہ بنے ۔ وہ ایک دردمند اور وسیع النظر انسان تھے ۔ شہرت و ناموری کی خواہش کبھی اُن کے دل میں پیدا نہیں ہوئی ۔ نمود و نمائش سے اجتناب ان کی طبیعت کا خاصہ تھا ۔ انہوں نے مومنانہ صفات اور اور آن بان کے ساتھ سادہ مگر پروقار زندگی بسر کی ۔ وہ ہر لحاظ سے کھرے آدمی تھے مگر کھردرے نہیں ۔ اُن کا ظاہر و باطن یکساں تھا الغرض وہ ایسے انسان تھے کہ ،

ہر آن نئی شان ، گفتار میں ، کردار میں اللہ کی برہان

سیّد صادق حسین کاظمی صاحب کی اہلیہ بھی نہائیت عابدہ ، زاہدہ اور عارفہ خاتون تھیں ۔ زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری انہیں ورثہ میں ملی تھی وہ اپنا زیادہ تر وقت عبادت و ریاضت میں گزارتیں ، کثرت سے درود شریف کا وِرد کرتیں ، صبح و شام یہی وظیفہ اور یہی معمول تھا ، یہ بڑی سعادت ہے اور عطائے ربِّ جلیل ہے ۔

ے ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

شاہ صاحب کو اپنی زندگی میں یکے بعد دیگرے کئی صدمے اُٹھانے پڑے سب سے پہلے اُن کے بھائی سیّد ظہور شاہ کاظمی اس جہاں سے رخصت ہوئے، پھر دو فرزند اکبر کاظمی اور آفتاب کاظمی داغِ مفارقت دے گئے۔ انہی ایّام میں ماں کی ممتا سے بھی محروم ہو گئے۔ شفیق و مہربان بھائی، محبّت کرنے والی ماں اور جگر گوشوں کی اچانک وفات نے جناب شاہ صاحب کے دل و دماغ پر گہرے نقوش چھوڑے۔ صبر تو کیا لیکن اندر ہی اندر اُن کی محبّت اپنا الاؤ جلاؤ کرتی رہی۔ وہ عارضۂ قلب میں مبتلا ہو گئے۔ بسترِ علالت پر شاہ صاحب نے یکے بعد دیگرے پیش آنے والے حادثات پر ایک طویل نظم لکھی جس کا ایک ایک شعر ان کے جذبات اور دلی کیفیات کا ترجمان ہے۔

سیّد صادق حسین کاظمی صاحب کی سعادت مند اولاد نے اُن کے علاج معالجہ کی جانب بھرپور توجہ، اُن کی راحت کا ہر طرح کا انتظام کیا لیکن

ے مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

انسان تو فانی ہے۔ ہر شے نے ایک روز فنا ہونا ہے۔ ۲۷ رمضان المبارک بمطابق ۴ مئی ۱۹۸۹ء کو شاہ صاحب اس جہانِ فانی سے بڑی شانِ استغنا سے رحمت گاہ یزدانی اور جلوۂ زار رحمانی میں پہنچ گئے۔ لیکن اہلِ محبت، اہلِ درد اور اہلِ قرابت کے دلوں میں اپنی فرقت و ہجراں کا ایسا نقش چھوڑ گئے جو تاحیات محو نہیں ہو سکتا۔

اُن کے سانحہ ارتحال کی خبر پورے ملک میں آناً فاناً پھیل گئی جس فرد نے انکے انتقال کا سنا اپنا کلیجہ تھام کر رہ گیا۔ کسی پر سکتہ طاری ہوا، کسی کا دل رویا کسی کی آنکھ اشکبار ہوئی۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ بس یہی کہ پروردگار عالم نے اُنکے سینے میں ایک ایسا دل ودیعت کیا تھا جسمیں اسکے بندوں کے لئے پیار، اپنوں کیلئے اُنس و محبت اور بیگانوں کے لئے جذبۂ خدمت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہ سب چیزیں ہیں جو اُنکی یادوں کے افق سے کبھی محو نہ ہوسکیں گی۔ اُن کا اپنا ایک شعر ہے۔

تلاشِ رفتگاں بے سُود صادقؔ
نہیں ملتے ہیں گم ہو کر یہ گوہر

سیّد آلِ احمد رضوی

دُعائے مقبول

خداوندِ جہاں تیرے لئے تعریف ہے ساری
کہ ہے لطف و کرم تیرا ہر انس و جان پر جاری
تو ہی مالک و مختارِ وکُل روزِ قیامت کا
ہر اک ہم میں سے دَم بھرتا ہے تیری ہی عبادت کا
تری ہی ذات سے ہوتے ہیں ہم امداد کے طالب
تو ہی ہے جو ہمیں لے جائے راہِ راست کی جانب
دِکھا رستہ ہمیں انعام و نعمت پانے والوں کا
ہدایت پانے والوں کا فضیلت پانے والوں کا
نہ اُن کی راہ جن پر ہو گیا تیرا غضب طاری
کہ وہ گمراہ ہیں ان سے بچا لے ہم کو اے باری

(ترجمہ از قرآن شریف)

صحرا کا نبیؐ

عرب کے دیس میں پیدا ہوا اسلام کا ہادی
جہاں دورِ جہالت کا تھا اور ہر سمت بربادی
یہ وہ صحرا ہے جس میں ریت ہی کی حکمرانی ہے
جہاں کم یاب ہے غلّہ، جہاں نایاب پانی ہے
یہ وہ بستی ہے جو ہر وقت بارش کو ترستی ہے
بجائے آب، گرما میں وہاں آتش برستی ہے
عرب کے لوگ اِک جا پر ٹھکانا کر نہیں سکتے
اسی باعث وہ اپنے گھر ہیں کندھوں پر لئے پھرتے
محبّت ہے انہیں گھوڑوں سے، وہ اُونٹوں کے خواہاں ہیں
جہازوں کی طرح یہ اُونٹ رہوارِ بیاباں ہیں

بہت سے دیوتاؤں کی کیا کرتے تھے وہ پُوجا
چڑھاتے تھے وہ اُن کی بھینٹ خُون انسان وحیواں کا
بلا کے وہ شرابی تھے، بُری رسموں پہ مائل تھے
نہایت تُند خو، سفّاک، ظالم اور جاہل تھے

○

یہی وہ مُلک تھا جس میں تھا اِک اللہ کا بندہ
نہایت نیک تھا وہ اُس کو سب کہتے تھے عبداللہ
اُسے خوش قسمتی سے مِل گئی تھی نیک اِک بیوی
کہ جس کے ساتھ رہ کر اُس نے کاٹی زندگی اپنی
ہوا وہ فوت بی بی آمنہ غمگین رہتی تھی
اسی کی یاد میں دن رات اکثر رنج سہتی تھی
مگر قدرت نے جلدی ہی اُسے نورِ نظر بخشا

محمدؐ نام نامی اُس کا گھر والوں نے تھا رکھا
خبر کیا تھی کہ یہ ننھا سا بچّہ کیا سے کیا ہو گا؟
نبیؐ ہو گا، بڑی ہی شان کا وہ رہنما ہو گا
ابھی چھ سال کا تھا، ماں کا سایہ اُٹھ گیا سر سے
حفاظت میں اُسے کچھ دیر رکھا اُس کے دادا نے
پہ چچا کے دامنِ شفقت میں پھر کچھ پرورش پائی
طبیعت پڑھنے لکھنے پہ نہ کچھ مائل نظر آئی
لیا پھر کام بھیڑوں بکریوں کی گلّہ بانی کا
تجارت اور کاروبار کرنا مشغلہ ٹھہرا
بہت شہرہ تھا گھر گھر اُس کی نیکی اور دیانت کا
سبھی نے سونپ ڈالا کام تھا اس کو امانت کا
پھر اُن کی حضرتِ بی بی خدیجہؓ سے ہوئی شادی

نبیؐ کی جس نے ساری عمر دلسوزی سے خدمت کی
نمونہ تھا وہ خود بھی پاکبازی کا شرافت کا
دھیان رہتا تھا اُس کو رات دن حق کی عبادت کا

خُدا کی یاد میں اِک غار میں مصروف رہتا تھا
ہدایت کی توقع میں وہ ہر تکلیف سہتا تھا
یُونہی وہ کر رہا تھا ایک دن یادِ خداوندی
کہ آیا اِک فرشتہ لے کے ارشادِ خداوندی
سُنا اُس نے نہایت غور سے جو کچھ کہا اُس نے
کیا یہ ذکر آکر پھر چچا سے اور بیوی سے
نبی ہونے کی دونوں نے اُسے فوراً بشارت دی
بڑھایا حوصلہ اُس کا، تسلّی دی اعانت کی

لگا اسلام گھر گھر پھیلنے جب شہرِ مکّہ میں
ہوئے ناراض کافر بھی بہت تب شہرِ مکّہ میں
نئی باتیں انہیں معلوم ہوتی تھیں وہ جلتے تھے
تھے قائم اپنی ہٹ پر اور ٹالے سے نہ ٹلتے تھے
ارادہ کر لیا دل میں انہوں نے تب بہت پکّا
نبیؐ کو اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کا
جو ساتھی اُس کے مل جائیں وہ ان کو تنگ کرتے تھے
لِٹا کر ریت پہ اُن کو وہ پتھر مارا کرتے تھے
اندھیری رات میں اِن دشمنوں نے گھر کو آگھیرا
نبیؐ کی جان کا لیکن محافظ حق تعالےٰ تھا
نبیؐ کو ہوگئیں معلوم سب کفار کی چالیں

مدینے کو روانہ ہو گئے اِک شب اندھیرے میں
محمد مصطفٰےؐ نے راستے میں سختیاں جھیلیں
اُدھر سے کافروں کی ٹولیاں بھی سر پہ آ پہنچیں
اُنہوں نے دیکھ کر مکڑی کا جالا غار کے مُنہ پر
یہی سوچا کہ ہو سکتا نہیں کوئی بشر اندر
رفیقِ غار حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے اُس دم
بہت سے لوگ ہیں یہ، اور ہم ہیں دو فقط ہمدم

تسلّی دی اُنہیں حضرتؐ نے اور فی الفور فرمایا
نہیں دو بلکہ ہم ہیں تین، حق کا بھی تو ہے سایا
غرض دُشمن گئے اور آپ اندر ہی رہے دونو
دنوں کی بات تھی آخر مدینے میں گئے دونو
مدینے کے لئے تھی وہ گھڑی عیش و مسرّت کی

سواری آن پہنچی جب وہاں فخرِ رسالت کی
مسلماں بھی وہاں رہنے لگے آرام و راحت سے
شجر اسلام کا ہر سُو لگا تھا پھُولنے پھلنے
شرارت سے مگر کفارِ مکہ رُک نہ سکتے تھے
مدینے پر چڑھائی کی غرض سے گھر سے چل نکلے
مسلماں بھی ادھر مجبور ہو کر سامنے آئے
سپاہی کی طرح حضرتؐ لڑے اور زخم بھی کھائے
کہا اصحابؓ نے ان کافروں کو بددُعا دیجے
"شکایت اس جفا و جور کی پیشِ خدا کیجے"
رسُولِ پاک نے اس وقت یہ ارشاد فرمایا
"کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا"
مرا مقصد ہے یہ انسان بچ جائیں تباہی سے

میں اُن کی خیر کا طالب ہوں درگاہِ الٰہی سے
ہوئی جب فتح دشمن قید ہو کر سامنے آیا
معافی دی اُسے اور قید سے آزاد فرمایا
طبیعت سیدھی سادی اُن کو قدرت نے عطا کی تھی
غذا سادہ تھی اور پوشاک سادہ عمر بھر پہنی
وہ انسانوں پہ حیوانوں پہ کرتے ہی رہے شفقت
غریبوں کے لئے ہستی تھی اُن کی آیۂ رحمت
نبیؐ کے نام لیوا آج سب مُلکوں میں بستے ہیں
متاعِ زندگی جو آپؐ پر قُربان کرتے ہیں

نغمۂ اسلام

نغمۂ اسلام زندہ باد گایا جائے گا
خوابِ غفلت سے مسلماں کو جگایا جائے گا

دیکھتی ہے خواب ہندو راج ہی کے کانگریس
خاک میں اس کے ارادوں کو ملایا جائے گا

سنگدل انگریز بھی سن لے یہ گوشِ ہوش سے
راہ میں پتھر جو آئے گا ہٹایا جائے گا

باز آجا اپنی ہٹ دھرمی سے اے بلدیو سنگھ!
ورنہ لاشوں پر ہی پاکستان بنایا جائے گا

ظالموں باطل پرستوں کی اُڑیں گی دھجیاں
نام ہر غدار کا یکسر مٹایا جائے گا

راہِ حق میں ہم لٹا دیں گے جو اپنے پاس ہے
اور ہر قیمت پہ پاکستان بنایا جائے گا

شیرِ دکنّ

بھیڑیوں کے غول میں شیرِ دکن محصور ہے
قاسمِ رضوی حصارِ ہمّتِ مجبور ہے
لرزہ بر اندام اعدا ہیں تری تقریر سے
تُو نے مُردوں کو جگایا نعرۂ تکبیر سے
کیا خبر تھی انقلابِ آسماں ہو جائے گا
ایک ہندو کیا ترا دُشمن جہاں ہو جائے گا
قید کر رکھا ہے فرعونی حکومت نے تُجھے
امتحانِ سخت میں ڈالا ہے قدرت نے تُجھے

کربلا میں سختیاں جھیلیں ترے اجداد نے
تجھ پہ توڑے ہیں مظالم نہرو و شدّاد نے
دب نہیں سکتی مگر تیری کبھی آوازِ حق
آسمانوں سے بھی اونچی ہے تری پروازِ حق
کفر کا سیلاب خود سوئے فنا بہہ جائے گا
نام زندہ رہتی دنیا تک ترا رہ جائے گا

حادثۂ جلیانوالہ باغ کے موقع پر

اے مِرے انگریز حاکم! ہوش میں ہو یا نہیں
فعلِ ڈائر کو جو بتلاتے ہو معمارانہ ہے

گر یہی تعمیر ہے تو ہو مُبارک آپ کو
بے نیاز اس سے مگر پنجاب کا کاشانہ ہے

آپ کی مرضی ہے اس کو عقل پہ مبنی کریں
مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ اِک فعلِ مجنونانہ ہے

صاف کہتا ہوں کہ یہ ہے بُزدلی کا اِک نِشاں
آپ کے نزدیک گو اندازِ بے باکانہ ہے

مطبوعہ اخبار آفتاب لاہور

قائدِ اعظم کے حضور میں

رہے گا تا ابد اے قائدِ اعظم ترا چرچا
تری ہمت کے صدقے تُو نے پاکستان بنوایا
مخالف تھے عناصر اور تھی یلغار اعدا کی
خُدا نے بول تیرا کر دیا ہر ایک سے بالا
ترے نقشِ قدم پہ گر چلیں ہم مُتّحد ہو کر
ہمارا بال کر سکتا نہیں دشمن کوئی بیکا
تری حکمت کے آگے لرزہ براندام تھا گاندھی
زہے قسمت مسلمانوں کو لیڈر مل گیا تجھ سا
رہے آباد پاکستان تیرا رہتی دُنیا تک
قیامت تک رہے جاری جو فیضِ عام ہے تیرا

خطاب بہ مسلم

رہے گا تا بکے مُسلم! بھلا تو نیم جاں ہو کر
نہ کھا یُوں ٹھوکریں دُنیا میں سنگِ آستاں ہو کر

اگر سودائے ہستی ہے تو گرمِ تازہ کوشی ہو
سمجھ لے موت سے بدتر ہے جینا بے نشاں ہو کر

مزا مل جائے گا اس کو ترے ٹکڑے اُڑانے کا
کھٹکتا رہ عدو کی آنکھ میں نوکِ سناں ہو کر

نہیں ہے خاکساری میں مزا کچھ زندگانی کا
جہاں سے کُوچ کر یارہ حریفِ آسماں ہو کر

لکھی ہے قطرۂ ناچیز کی قسمت میں گمنامی
مگر بہتر ہے مِٹنا اس کا بحرِ بیکراں ہوکر
پہنچ جا منزلِ مقصود تک اب دیکھتا کیا ہے
مٹا مت خود کو مثلِ گردِ راہِ کارواں ہوکر
متاعِ زندگی تاراج ہوتا ہے خدارا اُٹھ
زمانے بھر کو کر بیتاب سرگرمِ فغاں ہوکر

مطبوعہ اخبار "زمیندار" لاہور

ایک ہندو نوجوان کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے پر

مرحبا اے نو مجاہد! زندہ باد اسلام آج
کافروں کی ہو گئی ہیں سازشیں ناکام آج
ایک مدت سے تو مثلِ ماہیِ بے تاب تھا
شکر کی جا ہے تجھے حاصل ہوا آرام آج
ہو گئی حاصل پرستارانِ وحدت کو ظفر
گر پڑے ہیں منہ کے بل کفّار اور اصنام آج
وسعتِ دیں کا سبب کہتے ہیں جو شمشیر کو
یہ تو بتلائیں چلی ہے کونسی صمصام آج؟

یادِ کشمیر

کشمیر خطّہ تیرا بالاتر از جہاں ہے
باغِ ارم کا نقشہ کھینچا ہوا یہاں ہے
چاروں طرف کھنچی ہے دیوارِ کوہ تیرے
آبِ رواں کا نقشہ ہر اک طرف رواں ہے
کب چاہتا ہے دریا جہلم یہاں سے گزرے
کشمیر حسن اپنا کرتا جو تو عیاں ہے
اُلفت میں تیری ہوتا ہے سست گام پھر وہ
کرتا جو عشق اس کو مبہوت و ناتواں ہے
سب خوبیاں وہاں کی ہیں یاد تجھ کو صادقؔ
عمرِ عزیز تیری بھی کچھ کٹی وہاں ہے

خاکِ جھنگ

اے خاکِ جھنگ تجھ میں کوئی وصف ہے ضرور
بادِ نسیم کرتی ہے عرش آشنا تجھے
تیری سرشت میں وہ تکبّر کہ الاماں!
پھرو ں فضا میں اُڑتی ہے لے کر ہوا تجھے
نازاں عبث ہے عارضی جاہ و جلال پر
عجز و نیاز کا نہیں سودا ذرا تجھے
اِک روز خاک میں ہمیں مِلنا ضرور ہے
دن رات مت ستا کہ مروت سے دُور ہے

رفیقۂ حیات کے نام

مُبارک ہے ترا نقشِ قدم اے فخرِ نسوانی !
ترے دم سے ہے ویرانہ بھی رشکِ صحنِ بستانی
پری کوہ قاف سے اُتری ہے یا کہ حورِ صحرائی ؟
مہ و پروین سے بڑھ کر ہے تیری شانِ زیبائی
سلامت ہے ترے نُورِ تبسّم کی ضیا اب تک
نہ اب تک مٹ سکی تیرے حسین جلووں کی رعنائی
کسی فرعون کے آگے نہ گردن جُھک سکی اپنی
ترے قربان ! کی ہر گام پہ جوہمت افزائی

تری اولاد کو عزت عطا کی حق تعالےٰ نے
تری ہر اک دُعا ان کے لیئے ہو کر قبول آئی
تجھے بیماریوں نے آن کر گھیرا ہے کچھ ایسا
ہمارے پاس ہوتا کاش اعجازِ مسیحائی
دُعائیں مانگتا ہے رات دن تیرے لئے صادق
رفاقت میں تری جس نے ہے بے حد عافیت پائی

بسترِ علالت پر

محبّت ہے ماں باپ کی موجزن
بنے گی جو جنّت میں نہرِ لبن
گئے ایک مدّت سے سیّد و ظہور
ہے افسردہ اب تک دلِ ناصبور
ہے تازہ نوازش کا اکبر کا غم
جگر میں ہے اک نشتر کا غم
مرے قلب میں اُن کی ماں کا ہے گھر
کیا نوجوانی میں جس نے سفر

میرا جسم جلتا ہے مثلِ کباب
بُلاتا ہے شاید مجھے آفتاب

خوشی پاس ہے اُن کے جانے کی گو
یہ ڈر ہے کہ بانو پریشاں نہ ہو

میرے سامنے میرے معصوم ہیں
مری زندگی کا جو مفہوم ہیں

بُلائیں گے کہہ کر کسے ابّا جان
ملے گی انہیں زندگی میں امان

بہت مرحلے ان کو درپیش ہیں
جہاں میں یہ ناواقفِ نیش ہیں

پڑھائی کے کچھ ان کے سامان ہوں
جو ہیں مشکلیں ان کی آسان ہوں

زمانے میں ماں اُن کی ہے لاجواب
ستاروں کی آنکھوں سے ہے درحجاب
ابھی جس کا چہرہ ہے رشکِ گلاب
حسینوں میں ہے غیرتِ ماہتاب
مرے ساتھ ہیں میری ہمشیرگاں
کہ جن کی محبت ہے رشکِ جناں
دُعائیں شب و روز دیتی ہیں وہ
بلائیں مرے سر کی لیتی ہیں وہ

بہت سے ہیں میرے رفیقانِ کار
رہیں گے مرے غم میں جو اشکبار

غریبوں کی ناؤ ہے منجدھار میں
گھرے ہر طرف سے ہیں آزار میں

برستی ہیں ان پہ سدا لاٹھیاں
میسّر نہیں ان کو امن و اماں

یزیدی ابھی ہیں بہت زور میں
جو ہوتے ہیں ظاہر ہر اِک دَور میں

جلاتے ہیں اُن کے لئے آگ جو
ترے رحم سے ان پہ گلزار ہو

تو ہی منتقم ہے جلا دے انہیں
چلا بادِ صرصر اُڑا دے انہیں

سمجھ میں گر آئے یہ رازِ حیات
تو تصویر ہے اِک حیات و ممات
یہ دو رُخ ہیں ہر ایک کے سامنے
ترے سامنے اور مرے سامنے

یہ دونوں ضروری ہیں اِس دہر میں
ہے چلنا ہمیں آگے اس لہر میں
الٰہی مجھے فضل سے بخش دے
کہ غمگین ہیں چند بندے ترے

اگر تیری مرضی کوئی اور ہے
زمانے کا بدلا ہوا طور ہے
تو تسکینِ بے حد دلا دے مجھے
جو تو چاہتا ہے دکھا دے مجھے
مَیں راضی ہوں مولا رضا پہ تری
اسی میں ہے مضمر مری بہتری

لُطفِ خلوت

کل مَیں نے اِک فقیر سے یُوں جا کے عرض کی
ہو لُطف کی نظر تو عنایت ہے آپ کی
بندہ کو بھی رموزِ ولایت بتائیے
مشہور آنحضور زمانے میں ہیں ولی
سُنتے ہیں آپ واقفِ اسرارِ غیب ہیں
ہے بات آپ کے لئے یکساں جلی خفی
رہتے ہیں آپ چاک گریبان کِس لئے
طاری ہے کِس کی یاد میں ہر وقت بیخودی
اس خستگی سے آپ کی مَیں مضمحل ہوا
بس اب بڑھائیے نہ مرے دل کی بیکلی

اُٹھیئے کہ جا کے شہر میں تکیہ جمائیں ہم
جس جا پہ صد ہزار ہیں سامانِ دل لگی
کچھ دیر سُن کے عرض وہ خاموش ہی رہا
گویا یہ میری ہرزہ سرائی نہیں سُنی
بولا کڑک کے رعد کے مانند دیر بعد
جس سے مرے بدن میں ہوئی ایک کپکپی
کہنے لگا اے بندۂ حرص و ہوا ہو دُور
اپنی نبیڑ۔ جا۔ تجھے غیروں کی کیا پڑی
دیوانہ ہے وہ خاک بسر جو کہے مجھے
تاجِ سکندری سے ہے بہتر برہنگی
ہم مر چکے ہیں موت کے آنے سے پیشتر
ہستی نثار جس پہ ہو یہ ہے وہ نیستی

اپنی نظر میں فرق نہیں سیم و خاک میں
یکساں ہے اپنے واسطے سب بیشی و کمی

دُنیا کے بند توڑ کے خالق سے جوڑ کر
ہم ہو چکے ہیں وقفِ مُناجاتِ ایزدی

انساں کو چاہیئے کہ پریشاں کبھی نہ ہو
ہیں درد و رنج و راحت و آرام رفتنی

خلوت میں جو مزا ہے وہ جلوت میں ہے کہاں
جنگل میں شہر سے ہے زیادہ کہیں خوشی

صبح

اے سونے والو! اُٹھو اب صبح آ رہی ہے
کس کس پیار سے وہ تم کو جگا رہی ہے
وہ طائروں کو لے کر گانا سُنانے آئی
تانیں اُڑا رہی ہے، نغمے سُنا رہی ہے
چاندی کا ایک دریا ہر سمت بہہ رہا ہے
کس شوق سے وہ دیکھو اس میں نہا رہی ہے
پہنے ہوئے ہے جوڑا وہ سُرخ بادلوں کا
کیا بن سنور رہی ہے، جوبن دکھا رہی ہے

موت

اے اجل اے دریائے ہستی میں ہے طوفاں خیز تو
سب سے بڑھ کر ہے زمانے میں بلا انگیز تو
چھیننا بچوں کا ماؤں سے تجھے مرغوب ہے
خاتمہ ہستی کا میری کس لئے مطلوب ہے
گلشنِ ہستی ہے تیرے ہاتھ سے وقفِ خزاں
چند دن کی میہماں ہے یہ بہارِ بوستاں

تھی کہیں نزدیک بولی سن کے ہو کر خشمگیں
میں تری ہستی کا ناداں خاتمہ کرتی نہیں

اِک نئی دُنیا کا تیرے واسطے پیغام ہوں
میں نویدِ صبح لاتی ہوں اگرچہ شام ہوں

امتحان کا حال

دیکھنا اہلِ نظر یہ امتحاں کا حال ہے
ہے کوئی خوشحال اس میں اور کوئی بدحال ہے

پا رہا ہے اپنی محنت کا یہاں ہر ایک پھل
اور غفلت کی سزا بھی مل رہی ہے برمحل

تین گھنٹے ہیں کہ اِک پَل میں گزر جاتے ہیں یہ
ہیں ندّی نالے کہ چڑھتے ہی اُتر جاتے ہیں یہ

چشمِ بینا ہو تو پھر اس کے لئے سارا جہاں
کچھ نہیں ہے ماسوائے ایک جائے امتحاں

جو یہاں نگراں ہے غافل وہ نہیں ہوتا کبھی
جانتا ہے بات جو کچھ ہو ہمارے دل کی بھی
غیر ممکن ہے کہ دھوکہ دے سکے اس کو بشر
اس کی آنکھوں سے نہیں ہے کوئی بھی شئے مستتر
کم نہیں ہے یہ جہاں کچھ حشر کے میدان سے
آدمی کو چاہیئے ہوش و خرد سے کام لے

مطبوعہ اخبارِ تعلیم لاہور

سیاہ فام

(ایک سیاہ فام مگر ہونہار طالب علم کی حمایت میں)

رنگ کی دولت ازل میں جس گھڑی تھی بٹ رہی
دُھن مجھے تب تھی ذہانت اور لیاقت کی لگی
لُوٹ کر جب اِن کو مَیں آیا تو باقی کچھ نہ تھا
ہو چُکی تھی ختم سب سُرخی سفیدی گندمی
مجھ کو جب دیکھا فرشتوں نے تو جھٹ کہنے لگے
حیف تیرے واسطے ہے اِک گھٹا کالی بچی
ہنس کے مَیں بولا کہ کچھ پروا نہیں دیجے مجھے
اس اندھیرے میں بھی میرے واسطے ہے روشنی

جسم گو ہو گا شبِ تاریک سے تاریک تر
دل میں نُورِ علم کی ہو گی مگر جلوہ گری

اچھی سیرت کی مجھے پروا ہے صورت ہو نہ ہو
کر نہیں سکتی مجھے مایوس شکلِ ظاہری

مِل گیا مجھ کو جو تھا میرے مقدّر میں لکھا
خندہ زن احباب ہیں کیوں رُوسیاہی پر مری

واقفِ رمزِ حقیقت ہوں تو وہ سمجھیں یہ راز
کچھ نہ کچھ ہر فعلِ قدرت میں ہے مضمر بہتری

رات کالی بھی ضروری اس قدر دُنیا میں ہے
روزِ روشن جس قدر درکار ہے اور لازمی

اہلِ صورت کو بھی میرے رنگ سے حصّہ ملا
ہے نمایاں ان کے چہرے پر سیاہی تل کی بھی

عکس میرا چاند کے چہرے پر بھی موجود ہے
خوشہ چینی میں مری مصروف ہیں کہسار بھی

کس نے زُلف و ابرو و مژگانِ خُوباں کے لئے
کھول کر دِل ہاتھ سے اپنے سیاہی بانٹ دی

الغرض مجھ سے بھی رونق کچھ نہ کچھ دُنیا کی ہے
میں سکندر گو نہیں ہوں کیا نہیں ظلمات بھی؟

مطبوعہ 'اخبار تعلیم'
لاہور

انکر الاصوات

سخت حیراں ہوں کہ مجھ کو کیوں وہ کہتا ہے گدھا
سچ تو یہ ہے عقل پہ انساں کی پردہ پڑ گیا
بیوقوفوں کی صفِ اوّل میں رکھتا ہے مجھے
فہم و دانائی کا لیکن آپ ہے پُتلا بنا
ہینگ میری موجبِ آزار ہے اس کے لئے
کچھ سمجھتا ہی نہیں میں بات ہوں کیا کہہ رہا
اس کی غفلت خُوں کے آنسو رُلاتی ہے مجھے
درسِ عبرت اس کو دینے کے لئے ہوں ہنہناتا
عمرِ رفتہ کا پتہ دیتی ہے ہوں گر گوشِ ہوش
کم نہیں گھڑیال کی آواز سے میری صدا

شکوہ سنجِ سختیٔ دوراں جو ہو وہ بے شمار
آدمی وہ ہے کہ جو ہر حال میں شاکر رہا

فرض اپنا جو کرے پورا وہی انسان ہے
نام کا ہے آدمی ورنہ حقیقت میں گدھا

مجھ سے بڑھ کر کس نے خدمت کو بنایا ہے شعار
راز سرداری کا کہتے ہیں اسی میں ہے چھپا

باپ گر وقتِ ضرورت کہہ دیا کیا فائدہ
لطف تو تب ہے کہ سب سے عزت مری ہوتی سدا

مل گئی ہے انکر الاصوات کی مجھ کو سند
لاؤڈ اسپیکر کو لیکن کون کہتا ہے بُرا

آدمیت کا ہے جوہر انکساری میں نہاں
دیکھ اے صادق حقارت سے نہ مجھ کو دیکھنا

مطبوعہ اخبار تعلیم لاہور

درسِ عمل

اُٹھو خوابِ غفلت سے اے سونے والو

سنبھالو ذرا ہوش اپنے سنبھالو

پس و پیش اپنے ذرا دیکھو بھالو

ابھی وقت ہے اپنی بگڑی بنالو

کہ ہے وقتِ فرصت گزر جانے والا

گزر کر یہ واپس نہیں آنے والا

یہ ہے قاعدہ رزم گاہِ جہاں کا

ٹھکانہ نہیں یاں کسی ناتواں کا

یہاں کام ہے تیغ و تیر و سناں کا
یہ میداں ہے بس کوششِ جاوداں کا
خدا را نہ ہو جاؤ یوں سست و کاہل
کہ گر کر سنبھلنا نہایت ہے مشکل
خبر ہے ہمیں بیش قیمت گہر تھے
ہمیں مایۂ افتخارِ بشر تھے
ہمیں ہفت اقلیم میں جلوہ گر تھے
ہمیں صاحبِ ملک و اورنگ و زر تھے
ہماری غلامی میں علم و ہنر تھا
ہمارے ہی قبضے میں ہر دشت و در تھا
مگر اب تو ہے قابلِ رحم حالت
کہ وہ جاہ و حشمت نہ وہ علم و حکمت

جدھر دیکھئے اب ہے افلاس و نکبت
نہ وہ شوق ہے اب نہ وہ عزم و ہمّت

ٹپک کر ثریا سے ہے سخت حیرت
رہا شیشۂ کاہلی کیوں سلامت

بزرگوں کا رستہ صد افسوس چھوڑا
نبیؐ کی شریعت سے منہ ہم نے موڑا
محبّت مروّت کے رشتے کو توڑا
خدا کے رہے ہم نہ خلقت سے جوڑا

ہمیں اب تو لازم ہے ہوشیار ہونا
مصافِ شجاعت کو تیّار رہنا

ابتدائے عشق

دیکھ کر اک نازنینِ مہ لقا
دِل کا عالم اور ہی کچھ ہو گیا
صبر کے خرمن پہ بجلی گر پڑی
دفترِ زہد و عبادت جل اُٹھا
آرزوئیں پھر جواں ہونے لگیں
حسرتوں نے حشر برپا کر دیا
اُس نے بھی دیکھا بچشمِ التفات
اور ہلکا سا تبسّم بھی دیا

تھی نظر گاہے اِدھر گاہے اُدھر
سخت تھا کھٹکا رقیبوں کا لگا
یہ نظارہ دیر تک دیکھا کئے
خواب میں بھی جو کبھی دیکھا نہ تھا

چل رہی تھی باغ میں بادِ مُراد
ہو چلا تھا غُنچۂ مقصود وا
دفعتہ پھر رنگ بدلا چرخ نے
رُخ بدل کر ماہرو چلتا بنا

تھا بپا محشر خرامِ ناز سے
تھام کر میں اپنے دل کو رہ گیا
بن گیا آماجگاہِ صد فریب
ہو گیا دل خانۂ بیم و رجا

تو گرفتارِ محبّت تھا ابھی
تھا پریشاں اس لئے حد سے سوا
چھپ گیا وہ دیکھتے ہی دیکھتے
میری آنکھوں میں سیہ عالم ہوُا
پا بگل تھا صورتِ سروِ سہی
سخت حیراں نقش بر دیوار تھا
راہ گیر و راہ گزر تھے سینکڑوں
ہر کوئی میری طرف تھا دیکھتا
لگ رہا تھا راز کھُل جانے کا ڈر
با دلِ ناخواستہ چلنا پڑا
گھر میں آکر دل رہا اُس کی طرف
لُطف کھانے اور نہ پینے کا رہا

یاد شب بھر اس کی تڑپاتی رہی
صبحدم میں اُس کی جانب چل پڑا
"تجُھ کو بھی سرگشتگی ہو گی نصیب"
کہہ رہی تھی کان میں بادِ صبا
اس کے دروازے کے آگے شوق سے
ہو گیا جا کر بصد حسرت کھڑا
موت سے بڑھ کر کہیں ہے انتظار
کیا کہوں اس رنج و غم کا ماجرا
اس کو کیا پروا تھی وہ خود آن کے
میری چشم نم کے آنسو پُونچھتا
الغرض با حسرت و ارماں ہزار
اس کے دروازے سے میں واپس پھرا

یاد میں اس شعلہ رُو کی دَم بدم
لوٹنا مجھ کو شراروں پہ پڑا
صحنِ دل سے ہوگئی رُخصت صبا
مثلِ بُوئے گُل پریشاں میں ہُوا
آہ برلب، چشم گریاں رہی اُداس
مل رہی تھی جُرمِ اُلفت کی سزا
میں ہُوا غرقابِ بحرِ فکر جب
کان میں ہاتف نے آکر یہ کہا
"ابتدائے عِشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا"

اے ابرِ خوشگوار!

اے ابرِ خوشگوار ترا انتظار تھا
فرقت میں تیری ایک جہاں اشکبار تھا
بدلا ہوا یہ عالمِ لیل و نہار تھا
تیرے لئے ہی دستِ دُعا بار بار تھا
سُوئے فلک نظر تھی ہر اک کی لگی ہوئی
حسرت کی اور یاس کی صورت بنی ہوئی
ازبسکہ آس ٹوٹ چکی تھی کسان کی
کشتی تھی ڈگمگا رہی ہر انس و جان کی

تُو نے نظر کرم کی ادھر ایک آن کی
پیری میں گویا پھر سے زلیخا جوان کی

تھے کل جو خشک آج وہ بُوٹے ہرے ہوئے
دل بیکسوں کے رنج سے چھُوٹے، ہرے ہوئے

ہاں آج شورشوں سے کڑک کر برس ذرا
مُردہ زمیں کو کر دے نئی زندگی عطا کی

برکت سے اپنی دے گُل و گلزار پھر کھِلا
دیکھا نہ ہو کسی نے سماں آج وہ دکھا

نظارۂ جہان میں اِک آن بان ہو
فرشِ زمیں نیا تو نیا آسمان ہو

گرجوں میں مندروں میں مساجد میں جا بجا
تیرا ہی ذکرِ خیر ہر اک جا ہے ہو رہا

دُنیا میں آج کافر و مسلم ہیں ہم نوا
فرطِ طرب میں مُنہ سے نکلتی ہے مرحبا

ہر اِک کو آج بس کے مسرت کمال ہے
ہاں عید کا جہاں کے لئے تو ہلال ہے

آئینہ

روئے جاناں سے نہیں ہے کوئی بہتر آئینہ
قدرتِ ذاتِ خُدا کا ہے یہ مظہر آئینہ

ہے یقیں ایجاد پر اپنی خجالت ہو اُسے
دیکھ پائے خواب میں گر یہ سکندر آئینہ

عکس ہے اے یار اس میں روئے حیراں کا ترے
ہو گیا ہے اس لئے حیران و ششدر آئینہ

باعثِ آزار ہے وہ دل رہے جس میں غبار
ہے دُعا ہرگز نہ ہو دل کا مکدّر آئینہ

تیرے رُوئے آتشیں کے عکس سے اے شعلہ رُو!
ہوگیا فانوس کی صورت منوّر آئینہ

ہاں! دلِ صافی پر کھُلتے ہیں رموزِ کائنات
کیوں نہ صورت صاف دکھلائے منوّر آئینہ

دِل کے ٹکڑے کردئے ٹھکرا کے پائے ناز سے
توڑ ڈالا؟ - اُف غضب! تُونے ستمگر آئینہ

گو درخشاں ہے فلک پر جلوہ ہائے ناز سے
منفعل ہو دیکھ لے گر ماہِ انور آئینہ

بعد مرنے کے ترا لُطف و کرم کِس کام کا
ٹُوٹ کر پیوستہ کب ہوگا مکرّر آئینہ

تُو بھی اے صادق! صداقت رکھ سدا اپنا شعار
عیب و خُوبی صاف کر دیتا ہے خوگر آئینہ

انقلاب

آہ کیا کیا ہو چکے ہیں انقلابِ روزگار
باعثِ عبرت ہے تفسیرِ کتابِ روزگار

چپّے چپّے پہ یہاں ملتے ہیں آثارِ کہن
تُو نے ویرانہ ہی سمجھا ہے سرابِ روزگار

ہیں بہت پنہاں مرقعے دِل فریب و دل گداز
دستِ ہمّت سے اُٹھا دے تُو نقابِ روزگار

جن کی صدیوں تک دماغوں سے نہیں جاتی مہک
گُل کھلاتا ہے کئی ایسے سحابِ روزگار

ہوش میں آنا بہت اُن کے لئے دشوار ہے
مست ہو جاتے ہیں جو پی کر شرابِ روزگار

دِل میں رہ رہ کر ہزاروں آرزوئیں مٹ گئیں
تھی بہت دشوار صادقؔ فتحِ بابِ روزگار

مطبوعہ رسالہ "ہمایوں"
لاہور

تُو مصائب میں کبھی حیران و سرگرداں نہ ہو
بازوئے اغیار سے امداد کا خواہاں نہ ہو
کس لئے تجھ کو تہی دستی ہے وجہِ اضطراب
چاہیئے بے مائیگی بھی موجبِ حرماں نہ ہو
دُور سمجھے ہے جسے وہ ہے ترے نزدیک تر
بے سبب بے مہریٔ معشوق سے نالاں نہ ہو
رفعتِ اخلاق لے جائے تجھے افلاک پر
خواہشاتِ نفس سے آلودہ گر داماں نہ ہو

زندگی تجھ کو ملی کچھ کر دکھانے کے لئے
جنبشِ سیماب پیدا کر تنِ بیجاں نہ ہو

سیکھ لے پروانۂ جانباز سے رازِ حیات
شمع کی مانند صادقؔ رات بھر گریاں نہ ہو

سخت مشکل میں بھی ہرگز نہ پریشاں ہونا
تم کو منظور ہے گر کام کا انساں ہونا

ناتوانوں کی ضعیفوں کی دُعائیں لینا
دردمندوں کے لئے درد کا درماں ہونا

۹۲

مال و دولت ہو تو اسراف سے رہنا بچ کر
گنج پر بارِ صفت بھی نہ نگہباں ہونا

اے مسیحا! نہ مکرّر مجھے زندہ کرنا
کم نہیں موت سے منّت کشِ احساں ہونا

تاک میں گو ہے زلیخائے زمانہ کی ہوس
پاک دامن صفتِ یوسفِ کنعاں ہونا

ساز و ساماں نہیں درکار رہِ اُلفت میں
یہی کافی ہے فقط سوختہ ساماں ہونا

صادقِ زار نہ مایوس ہو کہہ کر اشعار
تیری تقدیر میں لکھا ہے سخنداں ہونا

○

تُو سمجھتا ہے حوادث ہیں ستانے کے لیے
یہ ہوا کرتے ہیں ظاہر آزمانے کے لیے

تُندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لئے

کامیابی کی ہوُا کرتی ہے ناکامی دلیل
رنج آتے ہیں تجھے راحت دلانے کے لئے

آتشِ نمرود گر بھڑکی تو کچھ پروا نہیں
وقت ہے شانِ براہیمی دکھانے کے لئے

مانگنا کیسا ؟ کہ تُو خود مالک و مختار ہے
ہاتھ پھیلاتا ہے کیوں اپنے خزانے کے لئے
دست و پا رکھتے ہیں تو بیکار کیوں بیٹھے رہیں
ہم اُٹھیں گے اپنی قسمت کو بنانے کے لئے

مطبوعہ اخبار روزنامہ "آفتاب" ۱۹۱۸ء
لاہور

○

صرفِ تعمیرِ عمل ہو ماحضر گر ہم نشیں
غیر ممکن ہے علاجِ تنگیٔ داماں نہ ہو

زنگِ ناکامی سے ہے تلوار بے جوہر تری
یا جلا ہو یا مصافِ دہر میں عریاں نہ ہو

زندگی اِک کشمکش ہے، جوش ہے ہنگامہ ہے
جلوہ آرائے جہاں ہو آنکھ سے پنہاں نہ ہو

مستعد ہو کر نئے گلشن کی پھر تعمیر کر
دہر میں جورِ خزاں کے ہاتھ سے نالاں نہ ہو

واسطے اپنے بنا کوئی جہازِ عافیت
کس لئے کہتا ہے پیدا بحرِ بے پایاں نہ ہو

سربسر جو عزم و ہمّت ہو وہ دل حاصل نہیں
ورنہ دُنیا میں حصولِ مُدعا مشکل نہیں

○

ہم نے دیکھا ہے خزاں کے بعد آتی ہے بہار
کلفتیں سب دُور ہو جاتی ہیں گُل بنتے ہیں خار

حد سے بڑھ جاتی ہے جب گرمی شعاعِ مہر کی
تب زمینِ خشک لب پر ابر ہوتا ہے نثار

ظُلمتِ شب ہم نفس آجاتی ہے خود سُوئے فنا
صفحۂ ہستی پہ جب ہوتا ہے خورشید آشکار

رکھ نشاں قائم کہ ہو جائے گا پھر پیدا اثر
پھر بھڑک اُٹھتی ہے آتش، ہوں اگر باقی شرار

آیۂ لاتقنطو ! ہاں آج پھر ڈھارس بندھا
اُمّتِ پیغمبرِ آخر زماں ہے بے قرار
دیکھئے اپنی شبِ ادبارگی کب ہو سحر
مدّتوں سے مضطرب ہیں رو رہے ہیں زار زار
اُمّتِ مسلم ! فلک سے برسرِ پیکار ہو
پھر وہی صحرا ہے تو گر مائلِ رفتار ہو

مطبوعہ اخبار روزنامہ آفتاب
لاہور

O

جائیں بھی گر وہاں تو بھلا کیا بنائیں گے؟
دستک بھی در پہ دیں تو وہ باہر نہ آئیں گے

مل جائیں بھول کر بھی سرِ راہ گر کہیں
شرم و حیا سے آنکھ نہ ہم سے ملائیں گے

محفل میں اُن کی جانے کو جائیں ہزار بار
کھٹکا یہ ہے کہ غیر کہیں دیکھ پائیں گے

وہ بے نقاب سامنے آئیں اگر کبھی
جب ہم کو دیکھ لیں گے تو پھر مُنہ چھُپائیں گے

سو مشکلوں سے کیا ترے کُوچے میں آن کر
لے ساتھ اپنے حسرت و ارمان جائیں گے؟

○

شکوؤں کو کچھ مِلا، نہ مِلے گا کبھی جواب
ہم داستانِ درد کو کب تک سنائیں گے؟

دِل کو تو پہلے روز ہی سے کر چکے نثار
باقی ہے نقدِ جاں، سو اسے بھی لٹائیں گے

آئے ہیں چارہ گر تو کریں شوق سے علاج
قسمت میں جو لکھا ہے وہ کیونکر مٹائیں گے

سوزِ درونِ عشق کی شدّت سے دیکھنا
گر آپ جل چکے تو اُنہیں بھی جلائیں گے

مقتل میں میرے شوقِ شہادت کو دیکھ کر
کہنے لگے وہ ہنس کے کہ پھر آزمائیں گے

اے موت تو ہی صادقِ خستہ پہ رحم کر
کب تک اسے بتانِ ستمگر ستائیں گے

○

چلے وہ بادلِ ناخواستہ محمل نشیں ہوکر
تو آنسو ہوگئے آنکھوں سے جاری سرنگیں ہوکر

لباسِ ماتمی پہنا ہے تُو نے کس لئے جاناں؟
تُو جانِ عشرتی ہے جا رہا ہے کیوں حزیں ہوکر

غبارِ راہ کی قسمت ہوئی مجھ سے کہیں بہتر
وفورِ شوق سے جاتا ہے جو اُن کے قریں ہوکر

ہزاروں میں مِلا ہے شرف جن کو باریابی کا
رہی حیرت ہمارے سامنے دیوارِ چیں ہوکر

حیات و مرگ کیا اپنی؟ تری معجز نمائی ہے
تبسّم زیرِلب کر، دیکھ یا چیں برجبیں ہوکر

ہمارا خانۂ دل ہے اگر خالی تو کیا پروا
تمہاری یاد رہ جائے اگر اس میں مکیں ہو کر

سراسر کامیابی ہے اسے ہر ایک ناکامی
رہے اس شوخ کی اُلفت میں جو زیر نگیں ہو کر

محبت میں خموشی شرط ہے اے صادقِ ناداں
تُو سرگرم فغاں ہے کس لئے اندوہ گیں ہو کر

○

جُدائی میں تری رہتا ہوں مضطر
لگی ہے چوٹ سی اک میرے دِل پر
مری آنکھوں میں تُجھ بن ہے اندھیرا
بلا سے ہو طلوعِ مہرِ خاور
نہیں آنے کا باز اپنی وہ ہٹ سے
اسے کہنا نہ کہنا ہے برابر
زمانے کو خود اُن کی جستجو ہے
نہ ہوں مایوس جو ہیں اہلِ جوہر
مقام و منزلِ جاناں کی جانب
فقط اِک شوقِ کامل ہی ہے رہبر

تلاشِ رفتگاں بے سُود صادق
نہیں ملتے ہیں گُم ہو کر یہ گوہر

○

ہمیں جو کھینچ لے آتی ہے وہ تیری محبّت ہے
وگرنہ صاف ظاہر ہے یہاں جو اپنی عزّت ہے
تعجّب ہے کہ کس مُنہ سے ستمگر تُجھ کو ٹھہراؤں
کہ تُو نامہرباں بھی ہو تو یہ بھی اک عنایت ہے
مَیں محرومِ تمنّا ہوں تو یہ میرا مقدّر ہے
وگرنہ ہر کس و ناکس پہ تیری عام رحمت ہے

سلیماں وقت کا ہے وہ جسے روزی میسّر ہے
کہ چیونٹی کے لئے تختِ رواں چکّی کا پتھّر ہے

(ترجمہ غنی کاشمیری)

ڈھلنا مہر کا مغرب سے، چلنا کوہساروں کا
حرارت ترک کرنا آگ کا، شعلوں شراروں کا
یہ سب ممکن ہے، ہونا پتھروں سے لالہ زاروں کا
بدل سکتا نہیں لکھا مگر قسمت کے ماروں کا

ماخوذ از سنسکرت

ہر کوئی اِمداد کا ہوتا نہیں ہے مستحق
کچھ سمجھ کر، سوچ کر اُٹھیئے حمایت کے لئے

سبزۂ پامال کو آندھی سے کیا پہنچے گزند
اس پہ گرتے ہیں وہی اشجار جو ہوں سربلند

رگ رگ میں تیری یاد کچھ ایسی سما گئی
جو کچھ بھی دل میں تھا اُسے یکسر بھلا گئی
نا التفاتیوں پہ تری صبر آگیا
ہاں! یاس ہی اُمید کا جلوہ دکھا گئی

زندگی تری نہیں چرخِ کہن کی زندگی
ختم ہو جائے گی یہ رنج و محن کی زندگی
ہے بہار آئینہ دارِ آمدِ فصلِ خزاں
چشمِ عبرت دیکھ لے گُل کی، چمن کی زندگی
جانِ شیریں کو بھی کر تکمیلِ مقصد کی نظر
ہم نشیں! پیشِ نظر رکھ کوہکن کی زندگی

○

چند روزہ زندگی پر اس قدر عزّت نہ ہو
کیا ہوا گر تجھ کو مال و دولت و حشمت ملی
کر دیا تقسیم قسامِ ازل نے ماحضر
شکر ہے عشاق کو دیدار کی حسرت ملی
ہجر میں ہیں جو مزے وہ وصل میں حاصل کہاں
زندگی سے بڑھ کے ہم کو موت میں راحت ملی

ماڈرن بُک ڈپو میلوڈی اِسلام آباد